Dr. Zareena Sani ڈاکٹر زرینہ ثانی

تسنیم زہرہ

ریسرچ اسکولر، راشٹر اسنت توکڑوجی مہاراج ناگپور یونیورسٹی، ناگپور

1857ء کے سانحۂ عظیم کے بعد ہندوستان میں تاریخی سیاسی انقلاب کے بعد جب انگریزوں کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے یوپی کے بہت سے مسلم خاندان نقل مکانی کرکے دکن کے مختلف علاقوں میں بس گئے تھے۔ ان میں زرینہ ثانی کا خاندان بھی تھا، اُن کے اجداد کامٹی ناگپور کے علاقے میں بس گئے وہ مومن برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

زرینہ کے والد حاجی عبدالرحیم صاحب (چکی والے) تھے، وہ مومن برادری کے عام مزاج سے ہٹ کر جدید طرز تعلیم اور تعلیم نسواں کے حامی تھے۔ ان کے ایک لڑکا اور چار بیٹیاں تھیں۔ زرینہ اُن کی بڑی بیٹی تھیں۔ حسینہ نشاط (صدر معلمہ خدیجہ بائی ہائی اسکول، کامٹی)۔ زلیخا پروین (معلمہ مجیدیہ گرلس ہائی اسکول، ناگپور)۔ ڈاکٹر نجمہ فرزانہ (ایم بی بی ایس ایم ڈی) اور بیٹے امیر الحق بی ایس سی بی ایڈ (قمر ہائی اسکول، مومن پورہ ناگپور۔ ایک حادثے کا 1985ء میں شکار ہو گئے۔)

زرینہ کا نام زرینہ فاطمی تھا۔ شادی کے بعد زرینہ ثانی (عبدالحلیم ثانی کے تعلق سے) نام رکھ لیا تھا۔

زرینہ ثانی 5/ جولائی 1936ء کو ناگپور (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئیں۔ بچپن سے ہی ذہانت کے آثار اُن میں نمایاں تھے۔ سیماب صفت طبیعت پائی تھی۔ ابتدائی تعلیم کارپوریشن کے گرلس پرائمری اسکول میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لئے گورنمنٹ گرلس ہائی اسکول ناگپور میں داخل ہوئیں۔ مڈل کامیاب کرنے کے بعد ہائی اسکول کی تعلیم حاصل کی۔ اور وہیں سے میٹرک 1953ء میں پاس کیا۔ اس کے بعد انھوں نے ناگپور یونیورسٹی سے مولوی کا امتحان پاس کیا۔ 1957ء میں ناگپور یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ 1960ء میں منشی عالم کا امتحان کامیاب کیا۔ 1960ء میں انھوں نے ناگپور یونیورسٹی سے اُردو میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ اُردو میں ایم اے کرنے کے بعد انہیں ناگپور کی مشہور نسوانی درسگاہ لیڈی امرتابائی دُرگا گرلز کالج (ایل اے ڈی) کے شعبۂ اُردو میں لیکچرار کی جگہ مل گئی۔ اسی درسگاہ میں ناگپور کی مشہور افسانہ وڈرامہ نویس خاتون زہرہ جبین بھی تھیں، جو صدر شعبۂ فارسی تھیں۔ زرینہ نے 1962ء میں فارسی میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد انھوں نے ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق (صدر شعبۂ عربی، فارسی و اُردو، مارس کالج) کی نگرانی میں سیماب اکبر آبادی کی نظمیہ شاعری پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا جس پر انہیں 1969ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی۔ زرینہ کی شادی اسی دوران 5/ مئی 1953ء کو (میٹرک کے بعد ہی) کامٹی کے استاد شاعر منشی عبدالقادر افگر کے فرزند، عبدالحلیم ثانی سے ہو گئی تھی۔ جو کامٹی کی مشہور درسگاہ ایم ایم ربانی جونیئر کالج میں لیکچرار تھے۔ زرینہ جن کا نام زرینہ فاطمی تھا۔ شادی کے بعد زرینہ ثانی ہو گئی تھیں، انھوں نے تعلیمی مراحل اپنی شادی کے بعد طے کئے۔ زرینہ 1960ء سے 1982ء تک ایل ڈی کالج میں صدر شعبۂ اُردو رہیں۔

وہ ناگپور یونیورسٹی کی تعلیمی سرگرمیوں میں شریک رہیں۔ ناگپور یونیورسٹی کے بورڈ آف ایگزامس میں تاعمر خدمات انجام دیں۔ ناگپور بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشنل میں بھی خدمات انجام دیں۔ ناگپور یونیورسٹی کے اُردو، فارسی بورڈ آف اسٹڈیز اور ریسرچ کمیٹی میں ممبر رہیں۔ ناگپور یونیورسٹی میں انہیں ریسرچ گائیڈ کی حیثیت بھی حاصل رہی۔ اسی کے ساتھ آل انڈیا ریڈیو ناگپور کے بورڈ آف ایڈوائزر کی ممبر رہیں۔ وہ آخر عمر تک اپنی طالبات کی تعلیمی رہنمائی میں مصروف رہیں۔

وہ فطرتاً سادہ مزاج لیکن بڑی سیماب فطرت اور زود حس تھیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس کے اثرات اُن کے قلب پر بھی پڑتے ہوں گے۔ بظاہر وہ تندرست تھیں۔ لیکن (روایتاً) 14 / جنوری 1982ء سے ایک روز پہلے کالج میں کسی فنکشن کے انتظامات کے سلسلے میں وہ زیادہ مصروف رہیں اور کئی امور اُن کی مرضی کے مطابق ظہور میں نہ آئے۔ 14 / جنوری 1982ء کو اُن کا ناگپور میں اچانک انتقال ہو گیا۔ جس کو سُن کر لوگوں کو ابتداء میں یقین ہی نہیں ہوا کہ اتنی فعال شخصیت اُن سے رخصت ہو گئی ہے۔ زرینہ ثانی کو مسلم قبرستان مومن پورہ میں سپردخاک کر دیا گیا۔ اُس وقت ناگپور یونیورسٹی کا اُردو بورڈ آف اسٹڈیز اُن کو چیئرپرسن بنانے کا جلسہ منعقد کرنے ہی والا تھا کہ یہ افسوس ناک سانحہ پیش آیا۔ اُردو دنیا میں زرینہ کی موت پر کافی رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔

ڈاکٹر زرینہ ثانی کی شادی 5 / مئی کو جناب عبدالحلیم ثانی کے ساتھ ہو گئی تھی۔ وہ ناگپور کے ایک خوشگوار علاقے شنکر میں فلیٹ لے کر قیام پذیر ہو گئیں تھیں۔ اُن کی ازدواجی زندگی بڑی خوشگوار تھی۔ اُن کو دو بیٹے ہوئے۔ ندیم ثانی اور طارق ثانی۔ عبدالعلیم ثانی کا بھی کچھ عرصہ قبل انتقال ہو گیا ہے۔ زرینہ کی بہو صواتی ثانی۔ ناگپور میں ہی رہتی ہیں۔ اور اُن کے ادبی ترکہ کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ انھوں نے مرحومہ زرینہ کے نام ایک انٹرنیٹ ویب سائٹ بھی جاری کیا ہے۔

زرینہ کو پڑھنے لکھنے کا شوق نہایت کم عمری سے تھا۔ اُن کے شوہر اُن کو سلور فش یا کرم کتابی کہتے تھے کیونکہ کتابیں ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھیں۔ گو وہ اپنے اس انتہائی شوقِ مطالعہ و تحریر کے باوجود اپنے خانگی فرائض اور امور خانہ داری سے غافل نہیں رہیں۔ باورچی خانہ تک میں کتاب اُن کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتی تھی۔

اُن کے واقف کار بخوبی واقف ہیں کہ اُنھوں نے بالکل سادہ اور بے تصنع دل پایا تھا۔ لیکن مزاج میں جلد بازی اور سیمابیت تھی اس کا ذکر اُن کے شوہر نے بھی اپنے تاثرات میں کیا ہے۔

" زرینہ کو لکھنے پڑھنے کا شوق کم عمری سے ہی تھا اور انہوں نے طالب علمی کے زمانے سے ہی ادب کی دنیا میں قدم رکھ دیا تھا۔"

انہوں نے ناگپور کے مشہور شاعر (فردوسیءعصر حاضر) فروغ نقاش (عبدالحفیظ نقاش) شاعر ماہنامہ ہند کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ پھر مشہور اُردو شاعرہ شفیق فاطمہ شعریٰ سے مشورۂ سخن لیا۔ اور تقریباً تمام مروج اصناف سخن غزل، آزاد غزل، آزاد نظم، نظم وغیرہ میں کچھ نہ کچھ کہا۔ پھر وہ نثر نگاری کی جانب متوجہ ہوئیں۔ اس کا آغاز انہوں نے 1952ء میں ایک افسانہ سے کیا اس میں انہوں نے اپنا قلمی نام زرینہ شمیم رکھا۔

اُن کا یہ افسانہ رسالہ بانو دہلی کے باغ و بہار نمبر 1952ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے کئی افسانے سپردِ قلم کئے۔ جو متعدد جرائدِ اُردو میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد وہ تنقید و تحقیق کی جانب متوجہ ہوئیں۔ اور کئی مضامین و مقالات سپردِ قلم کئے جو مختلف جرائد میں شائع

ہوئے۔ اور اُن کا ایک مجموعہ اُردو شاعری کی ہندوستانی روح 1967ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد اُن کا تحقیقی مقالہ مناسب ردوبدل کے بعد مختصر انداز میں سیماب کی نظمیہ شاعری کے عنوان سے 1978ء میں شائع ہوا۔

" سیماب کی نظمیہ شاعری " (شائع کردہ، سیماب اکیڈمی، ممبئی 1978ء)

ڈاکٹر زرینہ ثانی نے یہ مقالہ ناگپور کے مشہور و استاد رہنما پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد حامد مرحوم (پروفیسر اُردو فارسی، ناگپور مہاودیالیہ) کی نگرانی میں سپرد قلم کیا تھا۔ جیسا کہ محترمہ نے خود فرمایا ہے، انہیں اصناف سخن میں نظمیہ شاعری سے سنِ شعور سے ہی دلچسپی رہی ہے اور سیماب کی نظمیہ شاعری سے بھی۔ انھوں نے اس موضوع پر ناگپور یونیورسٹی میں رجسٹریشن کروایا، اور 4 سال کی محنت کے بعد اسے مکمل کر کے پیش کیا۔ اس پر انہیں 1969ء میں ڈگری تفویض ہوئی تھی۔ پھر انھوں نے اسے 1978 ء میں کتابی شکل میں شائع کروایا۔

اس کی اشاعت پر اس پر کئی ادیبوں، نقادوں اور مبصرین نے توصیفی تبصرے کئے۔ پروفیسر عنوان چشتی اور صالحہ عابد حسین وغیرہ کی آراء قابل ذکر ہیں۔ صالحہ عابد حسین لکھتی ہیں کہ:

> " سیماب اکبر آبادی اُردو کے مشہور شاعر تھے۔ شاید ہی کوئی ادبی ذوق رکھنے والا ایسا ہو جو اُن کو نہ جانتا ہو۔ زرینہ ثانی نے سیماب پر تحقیقی کام کر کے اُن کے کارناموں پر روشنی ڈالی ہے اور ادب پر کام کرنے والوں اور ادبی ذوق رکھنے والوں کو راہ دکھائی ہے کہ وہ سیماب کے کام کی عظمت کو پہچانیں اور دوسروں کو روشناس کرائیں، اس کتاب کو پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا ہے کہ ان کی علمی قابلیت، ادبی مقام اور ترجمہ کی صلاحیتیں کس پایہ کی تھیں۔ "
> (کتاب نما، اگست 1978ء)

اُردو شاعری کی ہندوستانی روح، عصر جدید اور غنائی غزل،، میر کی مرثیہ نگاری، رباعیاتِ آہ، اقبال کا نظریۂ وحدۃ الوجود، محروم کے یہاں ہندوستانیت، شکیل بدایونی اور غزل، اُردو کا پہلا عوامی شاعر نظیر اکبر آبادی، پیش لفظ میں زرینہ ثانی نے اپنا مضمون و مقالہ نویسی اور تنقید نگاری کا شوق ظاہر کیا ہے۔ ان ادبی تنقیدی مضامین میں زرینہ نے مدلل انداز میں مختلف موضوعات پر متوازن انداز میں روشنی دالی ہے اور نتائج اخذ کئے ہیں۔ اُردو شاعری کی ہندوستانی روح میں انہوں نے اس الزام کو مدلل انداز میں رد کیا ہے کہ اُردو شاعری ایک غیر ملکی شاعری ہے۔ انہوں نے مثالوں کے ذریعے ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ اُردو شاعری میں ہندوستانیت کے عناصر چھائے ہوئے ہیں۔ چاہے اُردو مثنویاں ہوں یا قصائد، غزل ہو یا نظم یا مراثی، شاعر کہیں کی بھی باتیں کرے، اس میں ہندوستانی عناصر لا محالہ شامل ہو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ شاعری ہندوستانی شعراء کے ذریعے ہندوستانی میں لکھی گئی ہیں۔ اس لئے اس میں مٹی کی بوباس آجانا قدرتی امر ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے دریا کو کوزہ میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ عصر جدید اور غنائیہ غزل میں دور حاضر کی غزل میں عصر جدید کے عناصر اور عصری زندگی کے امور و مسائل کے غنائیہ انداز بیان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ میر کی مرثیہ نگاری میں انہوں نے میر کی شاعری کے انوکھے موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ میر کو غزل کا ہی شاعر تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ انھوں نے کئی اچھے مرثیے بھی لکھے، رباعیاتِ آہ، ڈاکٹر صفدر آہ سیتاپوری کی رباعیات کا جائزہ ہے۔ اس کے فکر و فن، موضوعات، خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔

اقبال کا نظریۂ وحدۃ الوجود اقبال کے نظریہ کا بیان ہے، اقبال اس نظریہ کے مروج تصور کے مخالف تھے، جو ملت کو، انسان کو بے عملی، بے حرکتی، جمود اور قنوطیت کی طرف مائل کرتا ہے، وہ انسان کو ایک منفرد، فعال، مستقل ہستی مانتے تھے۔ زرینہ نے مثالوں سے اقبال کے نظریے کو

سمجھایا ہے۔ محرومؔ کے یہاں ہندوستانیت، تلوک چند محرومؔ کی شاعری میں ہندوستانیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ شکیل بدایونیؔ اور غزل میں اس مشہور و مقبول شاعر کی غزل گوئی کی خصوصیات ہیں۔ اُردو کا پہلا عوامی شاعر، میں نظیر اکبر آبادی کی عوامی شاعری پر نقد و نظر ہے۔ ان کے علاوہ زرینہ نے کئی اور موضوعات پر تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں، جیسے غالبؔ کی شخصیت (شاعر: غالب نمبر 1969.ء) پریم وار برٹنی کی نظموں کا تجزیہ۔

انھوں نے مشہور شاعر مہرلال سونی ضیاء فتح آبادی کی شخصیت و شاعری پر ایک کتاب "بوڑھا درخت" (1979.ء) میں شائع کی۔

پھر مشہور شاعر مصنف و ڈراما نگار ڈاکٹر صفدر آہؔ، پر ایک کتاب بحیثیت شاعر 1979.ء میں شائع کی۔ انھوں نے ہندی مراٹھی کے شاعر و مصنف ڈاکٹر وینے کے ساتھ مل کر " آئینۂ غزل " کے عنوان سے ایک انتھالوجی ہندی میں شائع کی تھی۔(1983.ء) اس میں اُردو کے نمائندہ و ضرب المثل اشعار کا مطلب ہندی و ناگریزی میں دیا گیا تھا۔

زرینہ ثانی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نویسی سے کیا تھا۔ بعد میں وہ شاعری اور مضمون نویسی تحقیق و تنقید کی جانب مائل ہو گئیں۔ اور اُن کی افسانہ نگاری ابتداء میں کچھ عرصہ جاری رہ کر پھر گم سی ہو گئی۔

اُن کا پہلا افسانہ دہلی کے مشہور زنانہ رسالہ بانو کے باغ و بہار نمبر 1952.ء میں زرینہ شمیم کے قلمی نام سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ افسانے لکھنے لگیں اور تقریباً 1953.ء تک اُن کے افسانے رسالہ بانو میں شائع ہوتے رہے۔ اس کے بعد بزمِ ہند آسنسول، سروج دہلی، شاخسار کٹک ،صبا حیدرآباد وغیرہ میں اُن کے افسانے شائع ہوتے رہے۔

1954.ء سے 1964.ء تک اُن کی افسانہ نویسی میں ایک قسم کا ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ لیکن 1960.ء کے بعد اُن کے افسانے پھر اُفق پر نمودار ہوئے اور وہ 1964.ء تک معروف رسائل میں لکھتی رہیں۔

اُن کے مشہور و مقبول افسانوں میں: قصور اپنا نکل آیا، بدلہ ترے ستم کا، عورت کی خودداری (بزمِ ہند آسنسول) ، ایک کرن اُجالے کی (شاخسار کٹک) ، خیال اپنا اپنا، مجرم ضمیر (صبا حیدرآباد) اور پھاٹک (سروج دہلی) وغیرہ شامل ہیں۔

زرینہ کی افسانہ نگاری بلحاظ کیفیت و کمیت مختصر سی رہی۔ اُن کی شہرت بطور ایک شاعرہ اور مضمون نگار، تنقید نگار زیادہ رہی۔ اس لیے ان کی افسانہ نگاری کے فکر و فن پر بہت کم لکھا گیا۔

مختلف رسائل میں بکھرے ان افسانوں کا مطالعہ کرنے پر اُن کی خصوصیات نظر آتی ہیں۔ اس پر مختصراً ہی اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔

زرینہ ثانی ایک حساس خاتون تھیں۔ حسیت اور نسوانیت کے اثرات اُن کے افسانوں میں نظر آتے ہیں۔ ان کے موضوعات عام عصری زندگی سے منتخب ہوئے ہیں لیکن زیادہ تر کا تعلق اس زندگی سے ہے۔ جس سے وہ واقف تھیں۔ یعنی نسوانی، گھریلو زندگی اور اس کے پہلو، امور و مسائل۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں زیادہ تر نسوانی مسائل کی ترجمانی کی ہے۔

ان میں نسوانی گھریلو عائلی زندگی کے کئی امور و مسائل ہیں۔ جو آج کے ذہنوں اور زندگی پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ زرینہ نے اُن کو ایک عورت، ہمدردِ نسواں و ہمدردِ انسانیت خاتون کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ان کے کردار گو سماج کے سبھی طبقات کے نمائندہ ہیں لیکن ان میں نسوانی کردار کافی اور متاثر کن ہیں۔ عورت ہونے کے ناطے یہ ایک فطری بات بھی تھی۔

Cosmos Multidisciplinary Research E-Journal
Online Available at www.cmrj.in
Recognized International Peer Reviewed Journal Impact Factor 4.94 ISSN No. 2456-1665

پلاٹ سازی اور کردار نگاری کے ساتھ زرینہ نے مکالمہ نگاری، زماں و مکاں وماحول، مقصدیت اور زبان و اسلوب کا بھی خیال رکھا ہے۔ اُن کا اسلوب ر ے ء . بیای اثر رکھتا ہے۔ جس دور میں وہ افسانے لکھ رہی تھیں، آزادی کے بعد ترقی پسند افسانہ کے رجحانات اُردو افسانے پر جاری تھے۔ اور دوسری طرف عام پاپولر افسانہ نگار خواتین، رومانی تخیلاتی اور جذباتی افسانے لکھ رہی تھیں۔ زرینہ نے خود کو کسی ازم سے منسلک نہیں کیا

۔

انہوں نے اپنے افسانوں میں اپنی وماحول کی زندگی، تجربات ومشاہدات اور سوچ ورجان کو جگہ دی۔ جیسا سوچا ویسا لکھا۔ گو کہیں کہیں رومانیت کے اثرات اُن کے افسانوں میں داخل ہوئے۔ لیکن زیادہ تر وہ حقیقی زندگی کی فنکارانہ عکاسی کو ہی اہمیت دیتی رہیں۔ اُن کے افسانوں کا بلحاظ فکر و فن جائزہ لینے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ اُن کے شوقِ شاعری و تحقیق و تنقید نے ہمیں ایک اچھی افسانہ نویس سے محروم کر دیا۔ اگر وہ افسانہ نویسی پر مکمل توجہ دیتیں تو یقیناً اُن کی صلاحیتیں انہیں ایک اچھا اور مقبول افسانہ نویس بنا دیتیں۔

Tasneem Zahera
Research Scholer (Urdu)
Rashtrasant Tukduji Maharaj,
Nagpur Univeristy, Nagpur

* * * * *